میوات کے میووں میں محرم کی رسمیں

ڈاکٹر جی ڈی گلاٹی☆

میووں کا علاقہ 'میوات' راجستھان کے الور اور بھرت پور ضلعوں کے بڑے حصوں اور ہریانہ میں گوڑگاؤں اور فریدآباد اور اتر پردیش میں متھرا اور آگرہ کے کچھ حصوں پر مشتمل ہے۔ اب حکومت ہریانہ نے اس خطے میں ایک الگ ضلع بھی بنادیا ہے جس کا صدر مقام نوح ہے۔

روایات کے اعتبار سے میو لوگ راجپوت نسل سے تعلق رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔[1] اب میو مذہباً مسلمان ضرور ہیں لیکن اپنی تمام ثقافتی اور مذہبی قدیم روایات کو اپنائے ہوئے ہیں۔ تبلیغی جماعت ایک کے مبلّغ اور ترجمان نے لکھا کہ: ''میو لوگ نماز کے نام تک سے ناواقف تھے''۔[2] اگر اتفاقاً کوئی مسلمان ان کے علاقے میں چلا جاتا تھا اور نماز پڑھنے لگتا تھا تو اس کے چاروں طرف لوگ جمع ہوکر حیرت سے دیکھتے تھے کہ یہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ ان کے خیال میں اس کے پیٹ میں درد ہورہا ہوتا یا وہ بالکل مخبوط الحواس ہوچکا ہوتا، جس کی وجہ سے وہ بار بار اٹھک بیٹھک لگاتا نظر آتا تھا۔

یہ بات واضح نہیں ہے کہ کب اور کیسے اسلام کی جڑیں میوات میں جمیں۔ قرون وسطیٰ کے ہندوستان میں دو دارالسلطنتوں دہلی اور آگرہ کے درمیان رہتے ہوئے[3] بھی یہ ترکوں اور مغلوں دونوں سے الجھتے رہے۔ پھر بھی مغلوں کے تحت انہوں نے شاہی خدمات بھی انجام دیں اور اکبر کے دور میں انہیں دوڑنے والے (ہرکارے) کی حیثیت میں ملازم رکھا گیا۔ ابوالفضل نے ''آئین اکبری'' میں اکبر کی فوج کی تقسیم کی تفصیلات دیتے ہوئے میووں کا ذیلی سرخی ''میوڑے'' کے تحت تذکرہ کیا ہے۔ اس نے لکھا ہے: ''یہ میوات کے باشندے ہیں اور دوڑنے والوں کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔ یہ بڑے دور دراز علاقوں سے بڑے جوش و خروش کے ساتھ ہر مطلوبہ چیز لے آتے ہیں۔

☆ دہلی یونیورسٹی

۱- تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ''میوات ڈیورنگ تھرٹینتھ سنچری'' از جی۔ڈی گلاٹی، پنجاب ہسٹری کانفرنس کے پندرھویں اجلاس کی روداد، پٹیالہ ۱۹۸۱ء، ص ۶۱

۲- منظور نعمانی کی ''تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات'' لکھنؤ ۱۹۸۹ء کا اقتباس یوگندر اسکند کی ''دی اورجن اینڈ ڈیولپمنٹ آف تبلیغی جماعت'' (۲۰۰۰-۱۹۲۰) نئی دہلی ۲۰۰۲ء، ص ۱۱۰ ۳- جی۔ڈی گلاٹی، سابقہ حوالہ، ص ۶۳-۶۱

بہترین جاسوس ہیں اور بڑی الجھی ہوئی خدمات بجالاسکتے ہیں۔ ایسے ہزاروں لوگ موجود ہیں جو احکام بجالانے کے لیے ہر وقت حاضر ہیں''۔[۱]

ان کے اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں کئی نظریے سامنے آتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ سالار مسعود غازی (جو محمود غزنوی کے ساتھ آئے تھے) کے میووں پر گہرے اثر کی وجہ سے ان میں تبدیلیِ مذہب کی ابتدا ہوئی۔ کچھ دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ قرون وسطیٰ میں اس خطے میں بہت سے صوفی داخل ہوئے، جس کے نتیجے میں کئی صدیوں کے دوران میووں میں تبدیلیِ مذہب کا سلسلہ شروع ہوا مگر ان کی 'اسلامیت' بہت جزوی سی ہی تھی۔ اس سلسلے میں انہوں نے اسلام کے کچھ عمل اپنالیے لیکن ساتھ ہی اپنے مقامی کلچر اور مذہب کی روایات کو بھی باقی رکھا۔ وقتاً فوقتاً صوفیائے کرام اور علمائے عظام اس بات کی کوشش بھی کرتے رہے کہ ہندو کلچر کے جو بہت واضح عمل ان میں باقی نظر آرہے تھے انہیں ختم کردیں۔ بہرحال یہ تبدیلیِ مذہب جزوی اور برائے نام ہی رہی۔[۲] انیسویں صدی کے آخری ربع میں ریاست الور کے سیٹلمنٹ آفیسر میجر راؤلینٹ کے الفاظ میں:

''اب تمام میو مسلمان ضرور ہیں لیکن ان کے گاؤں کے دیوی دیوتا وہی ہیں جو وہاں کے ہندوؤں کے ہیں اور یہ لوگ کچھ تہوار بھی وہی مناتے ہیں۔ چنانچہ میووں میں ہولی کھردرے قسم کے کھیلوں کا تہوار ہے اور اسے اتنا ہی اہم تہوار سمجھا جاتا ہے جتنا محرم، عید اور شب برأت، اور یہ اسی طرح جنم اشٹمی، دسہرا اور دیوالی بھی مناتے ہیں۔ یہ لوگ شادی کی تاریخ مقرر کرنے کی غرض سے نوٹ (پیلی چٹھی) لکھنے کے لیے ایک برہمن پجاری کو بھی متعین کرتے ہیں، خود کو ہندو ناموں سے پکارتے ہیں مگر ان میں رام شام نہیں ہوتا۔ بہرحال سنگھ عام طور پر ناموں میں شامل کیا جاتا ہے۔ اماوس کے دن جو ہر مہینے سورج اور چاند کے ملاپ کا دن ہوتا ہے، میو ہندو اہیروں اور گوجروں وغیرہ کے ساتھ محنت مزدوری چھوڑ دیتے ہیں، یا جب وہ کوئی کنواں بناتے ہیں تو اس سلسلے کا سب سے پہلا عمل 'بیرو جی' یا ہنومان کے لیے ایک پلیٹ فارم بنانا ہوتا ہے۔ اپنے رسم و رواج کے اعتبار سے آدھے ہندو ہوتے ہیں۔ ان کے گاؤں میں مشکل سے ہی کوئی مسجد نظر آتی ہے۔ میووں کی عبادت گاہیں ان کے پڑوسی ہندوؤں جیسی ہی ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر 'پنچ پیر' 'بھاٹیا' اور 'چاہنڈ' وغیرہ۔ چاہنڈ اور کھیرا دیو،

۱- ابوالفضل، آئین اکبری، ترجمہ: ایچ بلوشمین، ج ۱، تیسرا ایڈیشن، طباعت ثانی، نئی دہلی، ص ۲۶۲

۲- یوگیندر اسکند، سابقہ حوالہ، ص ۱۱۲

اپنے لباس کے سلسلے میں بھی یہ لوگ میوات میں آباد دوسری کسان ذاتوں کے لوگوں سے کسی طرح ممتاز نہیں کیے جاسکتے تھے۔ میونیاں (میوعورتیں) راجستھانی لہنگا اور بلاؤز پہنتی تھیں اور چاندی کے بھاری بھاری زیور۔ زیادہ تر میو سر پر چوٹی یا بودھی بھی بڑھاتے تھے جو ہندوؤں میں عام رواج تھا۔[1] جہاں تک اسلامی ظاہری امور کا سوال ہے ان میں مردوں میں ختنہ، نکاح اور دفن کے سلسلے کے امور پورے کیے جاتے تھے گوکہ ان امور کو بھی کسی حد تک ہندو سانچے میں ڈھال لیا گیا تھا۔ انہوں نے کبھی ماضی بعید میں اسلام ایک مذہب کے طور پر قبول کرلیا تھا اور انہیں خود کو مسلمان کہے جانے پر فخر بھی تھا۔ لیکن وہ ملک کے باقی حصے کے مسلمانوں کے مقابلے میں میوات کے ہندوؤں سے قریب تر تھے۔ اس طرح میو تمدن کا مطالعہ کرنے والا یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ میوؤں میں ایک ایسی شعوری کوشش یا فکر موجود تھی کہ وہ ہندو اور مسلمان دونوں کلچروں کے عناصر کو اپنائے رہیں اور ایک ایسا انداز پیدا کریں جو بنیادی طور پر میواتی ہو۔ دونوں فرقوں کے صوفی سنتوں کا احترام و عقیدت، اور دونوں فرقوں کی مقدس کتابوں اور روایات سے لگاؤ ان کے یہاں بالکل واضح نظر آتا ہے۔ میوؤں کے ثقافتی ورثے میں دونوں جزو لازم کی طرح سموئے ہوئے ہیں۔[2] انہیں ہندوستان کے مخلوط کلچر کی بہترین مثال کہا جاتا ہے۔ ایک بہت عام کہاوت، جس میں ہندو جاٹوں اور مسلمان میوؤں کے انداز میں مماثلت کا اندازہ ہوتا ہے اس طرح ہے: 'جاٹ کیا ہندو! اور میو کیا مسلمان!'۔[3]

میوؤں کی بارہ 'پالوں' اور لگ بھگ باون 'گوتروں' میں تقسیم سے بھی ان کے راجپوت سلسلے سے تعلق رکھنے کی نشاندہی ہوتی ہے۔ یعنی یادو، تومر، اور کچھواہا شاخیں۔ ہر پال اور گوتر اپنی ایک الگ شناخت رکھتا تھا اور میوات میں کئی کئی گاؤں پر مشتمل ہوتا تھا۔ بہرحال، اب میو ایک وسیع علاقے میں آباد ہیں جو ملک کی چار ریاستوں ہریانہ، راجستھان، اترپردیش اور مدھیہ پردیش میں پھیلا ہوا ہے۔

جیسا کہ جدید محققین کا خیال ہے میوؤں کی مذہبی روایت ان کے لیے خاصی فائدہ مند ہی ثابت ہوئی ہے۔ میوات کی زراعتی زمینوں میں سے زیادہ تر زمینوں پر میو کاشتکار ہونے کی وجہ سے متصرّف رہے۔ اس علاقے میں عددی اعتبار سے میو یہاں کی غالب ذات تھے۔ اپنے علاقے کے غیر اسلامی رسم و رواج اور اداروں کو جیسے گوتر، اور پال کا نظام اور نچلی ذاتوں سے چھوا چھوت کے عمل کو برقرار

۱۔ میجر پاؤلیٹ، گزیٹر آف الور، لندن ۱۸۷۸ء، ص ۳۸ ۔ ۲۔ یوگیندر اسکند، سابقہ حوالہ، ص ۱۱۳

۳۔ شمس الدین شمس، میوز آف انڈیا، ڈیز کسٹمس اینڈ لاز، نئی دہلی ۱۹۸۳، ص ۳۶ ۔ ۴۔ ایضاً، ص ۳۶

رسم و رواج اور اداروں کو جیسے گوتر، اور پال کا نظام اور نچلی ذاتوں سے چھوا چھوت کے عمل کو برقرار رکھنے کی وجہ سے ایک حد تک اسلامیت قبول کر لینے کے باوجود میووں نے اس علاقے کے سماجی درجات میں ایک اونچے درجے کی دعوے داری قائم رکھی۔ غیر مسلم دستکار، خدمتگار، یہاں تک کہ برہمن تک زرعی پیداوار میں ایک حصے کے بدلے میں اپنے میو مربّیوں کی خدمت کرتے رہے۔ جب تک ان گاہک یا خدمت گزار قسم کی ذاتوں کی معاشی اور سماجی زندگی میں کوئی اختلال پیدا نہیں ہوا، ان ذاتوں کے لوگوں نے میووں کی مخلوط سی مذہبی شناخت کو نظر انداز کرنا مناسب سمجھا۔ اس لیے میووں نے بھی ان دونوں فرقوں (ہندو اور مسلمان) میں سے کسی طرف بھی زیادہ جھکنے کی کوئی ناگزیر مجبوری محسوس نہیں کی کیونکہ ان کی حیثیت میوات میں محفوظ تھی۔ میوات کی دوسری ذاتوں کے گروہوں نے بھی اس علاقے پر میووں کے غلبے پر کوئی سوال نہیں اٹھایا۔[۱]

دوسری طرف، چونکہ میو عام طور پر دہلی کے مسلم حکمرانوں سے مخالفانہ رویّہ رکھتے تھے اس لیے ان کی عام مذہبی روایات انہیں ایک علاحدہ شناخت کا احساس دلاتی رہتی تھیں، جو ان کے شاہی مخالفوں سے بالکل متضاد تھی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ میوات کا مقامی جاگیردار اعلیٰ طبقہ 'خان زادے'، میووں کے مقابلے میں اسلامیت کا زیادہ حامل تھا، اپنی عورتوں کو سخت پردے میں رکھتا تھا اور دوسری اسلامی روایات کا زیادہ پابند تھا۔[۲]

اگلے چند برسوں میں مختلف سماجی، معاشی دباؤ اور مجبوریوں کے سبب میووں کی حالت امید افزا نہیں رہی، میووں کو لگ بھگ معینہ وقفوں کے ساتھ بہت سخت قحط جھیلنے پڑے جن کے نتیجے میں یہ جین اور ہندو بنیوں، ساہوکاروں وغیرہ سے لیے ہوئے قرضوں کے بوجھ میں بری طرح دب گئے۔ بیسویں صدی کے ابتدائی حصے میں ان کی معاشی ابتری میں نہ صرف بہتری نہیں ہوئی بلکہ اس میں بہت تیز گراوٹ آئی، جس کا اظہار پنجاب گورنمنٹ کی انتظامی رپورٹ ۱۹۱۶ء سے ہوتا ہے۔ جیسے جیسے میو غربت و افلاس میں نیچے اترتے رہے انہیں شدت سے یہ بھی احساس ہوتا رہا کہ بنیے نہ صرف ان کی مصیبتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں بلکہ حقیقت میں وہ اس صورت حال کی جڑ بھی ہیں۔ اور چونکہ بنیے اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی زندگی کا ایک مقامی منبع سمجھے جاتے تھے اس لیے ان کے خلاف بڑھتے ہوئے جذبات رفتہ رفتہ بحیثیت مجموعی ہندو مذہبی روایات سے دوری کی صورت میں ظاہر ہوئے اور

۱۔ شمس الدین شمس، میوز آف انڈیا، ص ۳۵ ۲۔ یوگیندر اسکند، سابقہ حوالہ، ص ۱۱۴

نگاہ سے دیکھتے تھے، ان کے ہاتھ کا پکا کھانا کھانے سے انکار کردیتے تھے اور انہیں اپنی رسوم میں گندگی پیدا کرنے والا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اسی دوران تبلیغی جماعت تحریک بھی علاقے میں داخل ہوچکی تھی، جنہوں نے میووں کو ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے اپنی شناخت بنائے رکھنے کی تلقین کی۔ اس طرح سے میووں کو ایک طرف تبلیغی جماعت کے پرچار اور دوسری طرف جدید تعلیم کے اثر سے اپنے مسلمان ہونے کا احساس ہوا۔ مدرسوں کا قیام اور مسجدوں کی تعمیر، ان کے توسط سے ہوئی۔ اسلامی تعلیمات نے انہیں ایک علاحدہ مذہبی گروہ کی شکل دے دی اور انہیں پہلے سے زیادہ متحد کردیا۔

۱۹۴۷ء کی تقسیم ملک نے میووں کے لیے حقارت اور پریشانی کے نئے دروازے کھول دیئے تھے۔ تقسیم کے بعد جو فسادات ہوئے اس میں میووں کی بہت سی زمینوں پر نچلی ذاتوں کے ہندو قابض ہوگئے، پھر جو میو پاکستان چلے گئے ان کی زمینوں کو حکومت نے پنجابیوں کو الاٹ کردیا جو مغربی پنجاب سے آئے ہوئے ہندو اور سکھ تھے۔ ایک وقت چونکہ تبلیغی جماعت نے ان میں سے بہت سے لوگوں کو اسلام کو کم سے کم ظاہری طور پر اپنا لینے کی طرف راغب کردیا تھا تو ان نئے بیرونی عوامل نے ان میں اسلامیت کے نفوذ کو اور تیز کردیا۔ آمد و رفت کی بہتر سہولتوں نے میوات میں تبلیغی دوروں میں بہت تیزی سے اضافہ کیا جن میں باہر کی تبلیغی جماعتیں اور خود میووں کی اپنی جماعتیں شامل تھیں جو اس پورے خطے میں اور باہر آتی جاتی تھیں۔ اسلامی ادب اور اسلامی تعلیم دونوں سے میووں نے اور زیادہ واقفیت حاصل کی جس سے رفتہ رفتہ ان میں ایک اسلامی شناخت اور پورے ملک کے مسلمان فرقے سے ان کی ایکتا اور یکسانیت کا احساس اور بڑھا۔ بابری مسجد کے بحران سے مذہبی شناخت کے احساس میں خاص طور پر اور اضافہ ہوا۔ چنانچہ آج میو ہندو روایت کو چھوڑ رہے ہیں مگر یہ لوگ دونوں مذہبوں کی ہلکی پھلکی اور دلچسپی کی حامل رسوم میں ضرور شریک ہوتے ہیں۔ یہ صورت حال ہریانہ میں زیادہ واضح ہے جہاں میو زیادہ تعلیم یافتہ اور معاشی اعتبار سے بہتر حالت میں ہیں لیکن راجستھان میں اپنی غربت کی وجہ سے وہ اب بھی پرانی روایات کو اپنائے ہوئے ہیں۔[1]

اسلامی کلینڈر کا پہلا مہینہ محرم اسلامی معاشرے میں بہت اہم مانا جاتا ہے۔ پوری دنیا میں، جس میں ہندوستان بھی شامل ہے اسے پورے جوش و خروش، شان و شوکت، اور گہرے جذبے کے ساتھ

۱- مزید مطالعہ کے لیے یوگیندر اسکند، سابقہ حوالہ ملاحظہ ہو، ص ۱۴۸ تا ۱۷۴، نیز ملاحظہ ہو نور محمد (ایڈ) انڈین مسلمس، نئی دہلی ۱۹۹۹ء، ص ۱۸۳

اسلامی کلینڈر کا پہلا مہینہ محرم اسلامی معاشرے میں بہت اہم مانا جاتا ہے۔ پوری دنیا میں، جس میں ہندوستان بھی شامل ہے اسے پورے جوش وخروش، شان وشوکت، اور گہرے جذبے کے ساتھ ایک مذہبی فریضے کے طور پر منایا جاتا ہے۔

مسلمانوں میں شیعہ فرقے کا عقیدہ ہے کہ پیغمبر محمدؐ کے نواسے حسینؓ خلافت کے حقدار و جانشین تھے۔ یہ لوگ ان کی شہادت کا سوگ مناتے ہیں جو دس محرم ۶۱ھ/۶۸۰ء میں کربلا کی جنگ میں واقع ہوئی تھی۔ حسینؓ کے بھائی حسنؓ (جنہیں شیعوں کے یقین کے مطابق زہر دیا گیا) انہیں بھی اس موقعے پر یاد کیا جاتا ہے۔ ملک میں سنی فرقہ عام طور پر محرم کے اس سوگ میں شریک نہیں ہوتا مگر میو اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ یہ سنی ہوتے ہوئے بھی محرم میں شریک ہوتے ہیں، ہاں کسی طرح کا سوگ نہیں مناتے۔ حقیقت میں اس سانحے کی یاد میں عام شیعہ انداز کے برعکس ان لوگوں میں کربلا کے غمناک واقعات سے کسی قسم کے ذاتی لگاؤ یا جذبے کا فقدان نظر آتا ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا نسلی اعتبار سے ان کا راجپوت سلسلے اور ہندوؤں سے ایک دیرینہ تعلق اور ان کے میلوں اور تہواروں میں شریک ہوتے رہنے کی وجہ سے محرم بھی ن کے لیے اور بہت سے تہواروں کی طرح ایک تہوار ہی ہے۔

جہاں تک میوات میں محرم کی رسومات کی ابتدا کا سوال ہے ہم مشکل ہی سے کوئی تحریری شہادت حاصل کرسکتے ہیں، بہرحال یہ بات بالکل صاف ہے کہ یہ صوفی اثرات کا نتیجہ ہوسکتا ہے یا ان کے راجپوت نسل سے تعلق کا۔ اس کے علاوہ صدیوں سے ان کے ہندو میلوں ٹھیلوں اور تہواروں میں حصہ لیتے رہنے کے نتیجے میں وہ اس علاقے میں ثقہ قسم کے مسلمان کا روپ اختیار بھی نہیں کرسکتے تھے۔ ہم ان کے تبدیلی مذہب اور مغلوں کی خدمات انجام دینے کا ذکر کرچکے ہیں۔ مغل خود ہی ایک مخلوط کلچر کی ابتدا کرنے والوں میں سے تھے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہمایوں اور بیرم خان دونوں نے میو لڑکیوں سے شادی کی تھی جس سے ہندوستان میں اپنی رعیت کی طرف ان کے نرم رویے کا اظہار ہوتا ہے۔ اکبر کے دربار میں کئی شیعہ عالم بھی موجود تھے۔ عبدالرحیم خانخاناں جسے عام طور پر رحیم کہا جاتا ہے، ایک میونی کا ہی بیٹا تھا۔ اب اس بات کو باور کرلینے میں کوئی دقت نہیں ہونی چاہئے کہ اس دور کے میو وہی مذہبی روایات پوری کررہے تھے جو اس وقت کے مذہبی ماحول اور ان کے دوسرے بھائیوں، یعنی ہندوؤں کے ساتھ رہنے سے مطابقت رکھتی تھیں۔ ایسی صورت حال میں سنی مذہب کی راسخ الاعتقادی ان پر کوئی بہت گہرا اثر نہیں ڈال سکتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے آزاد روش اور اسلام کا وہ

میرے بچپن کے زمانے میں ہم لوگوں نے ہر سال اس مہینے کو دھوم دھام سے نہ صرف مناتے ہوئے دیکھا ہے بلکہ اسے ایک مبارک مہینہ سمجھتے ہوئے ہم میووں کے جلوس میں شریک بھی ہوئے ہیں، ان کے ساتھ گاؤں، گاؤں گھوم کر ٹھنڈا شربت پلایا ہے اور حسینؑ اور حسنؑ سے برکتوں کی دعا بھی کی ہے۔ مقامی لوگ تعزیے کے جلوس میں کسی تعزیے کے نیچے سے نکلنا ایک محترم اور مقدس عمل سمجھتے تھے اور اسے اپنے مستقبل کی بہتری کا ضامن مانتے تھے۔ اس پورے علاقے میں محرم کی رسوم کے لیے بہت سے مقررہ مرکز تھے۔ ان رسومات کی ادائیگی کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ایک ماہر علم البشر (اینتھر و پولوجسٹ) نے، جس نے میوات کے چاوندی کلاں نام کے ایک گاؤں میں مہینوں تک قیام کیا تھا اور ان کے ساتھ رہا تھا، لکھا ہے کہ یہ گاؤں اپنی وسعت، محلِ وقوع، ذات پات کے ڈھانچے اور معاشی اور سماجی تنظیم وغیرہ ہر لحاظ سے میوات کا اچھا نمونہ پیش کرتا ہے۔ یہ گاؤں راجستھان کے ضلع الور کی تحصیل میں قومی راجدھانی دہلی سے ۱۴۰ کلومیٹر دور 'تجارہ' تحصیل میں واقع ہے۔

کئی لیڈروں اور میوات کے بہت سے بزرگوں سے گفتگو کرکے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس علاقے میں ہریانہ کے ضلعوں کے لوگ ماہِ محرم کے پہلے ہفتے کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے۔ لیکن ہمارے ماہر علم البشر دوست نے راجستھان کا کچھ مختلف منظر پیش کیا ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ انہوں نے لکھا ہے:

''چاوندی کلاں میں محرم کی رسومات کے سلسلے میں سب سے پہلے، گھروں میں، ایک میٹھی چیز پکائی جاتی ہے۔ نوجوان لوگ پیک کا سا لباس پہنتے ہیں اور آس پاس کے گاؤں میں جاتے ہیں۔ ۱۹۶۴ء میں اس ٹولی میں چار میو اور ایک سقہ شامل تھے۔ اس وقت ان کا مخصوص لباس، جسے وہ اپنے عام کپڑوں پر ہی پہن لیتے ہیں، ایک سرخ لنگی ایک سبز انگی (مستطیل کپڑا، جس میں بیچ میں ایک سوراخ یا شگاف سا ہوتا ہے، اور اسے سر پر ڈال لیا جاتا ہے)، ایک لال اور سفید 'گنڈا' (رنگین دھجیوں سے بٹی ہوئی ایک لمبی ڈوری جسے پگڑی، سینے، پیٹھ اور کمر کے چاروں طرف لپیٹا جاتا ہے)، چمڑے کی یا دھاگوں کی ایک پیٹی جس میں چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں لگی ہوتی ہیں اور ہاتھ میں ایک تلوار یا لکڑی، پر مشتمل ہوتا ہے۔ پیکوں کو جوتا پہننا منع ہوتا ہے۔ انہیں چارپائی پر سونے اور پہیے والی گاڑی پر سوار ہونے کی بھی ممانعت ہوتی ہے''۔[۱]

اس دن دوپہر کے وقت یہ پیک، گاؤں کے میدان میں جمع ہوتے ہیں۔ ایک نوجوان ڈکوٹ

پر سوار ہونے کی بھی ممانعت ہوتی ہے''۔[۱]

اس دن دوپہر کے وقت یہ پیک، گاؤں کے میدان میں جمع ہوتے ہیں۔ ایک نوجوان ڈکوٹ برہمن جو ان کا سربراہ (انچارج) ہوتا ہے، ایک لال ڈوری (لال دھاگہ جو ہندو لوگ مذہبی رسوم ادا کرتے وقت استعمال کرتے ہیں) ان کی کلائیوں پر باندھتا ہے اور مرثیہ خوانی کرکے ان کی سربراہی کرتا ہے۔ گاؤں کے میدان میں ایک نقارہ رکھ دیا جاتا ہے جسے دو آدمی ایک ساتھ مار مار کر بجاتے ہیں۔ پیک اس کی تال پر ایک گھنٹے تک ناچتے کودتے ہیں۔ اس کے بعد وہ کچھ دیر آرام کرتے ہیں اور پھر گاؤں کے دورے پر نکل جاتے ہیں۔

یہ لگ بھگ ہر گاؤں میں جاتے ہیں، پہلے اس گاؤں کے میدان میں ناچتے ہیں پھر گھر گھر جاتے ہیں، ناچتے ہیں اور پیسے جمع کرتے ہیں، اس طرح جو پیسہ جمع ہوتا ہے اسے کسی مذہبی عام منصوبے پر خرچ کیا جاتا ہے۔ جیسے نگاڑے کی مرمّت وغیرہ۔ رات کو یہ لوگ کسی گاؤں میں آرام کرتے ہیں مگر صرف زمین پر فرش بچھا کر۔ اگلی صبح یہ اپنا دورہ پھر شروع کردیتے ہیں اور روزانہ پانچ، چھ گاؤں پورے کرلیتے ہیں۔ یہ محرم کے ساتویں دن اپنے گاؤں واپس آجاتے ہیں۔

گاؤں کے زیادہ تر مرد کم سے کم ایک بار یا اس سے زیادہ مرتبہ جوانی میں پیک بنتے ہیں، مگر چاوندی کلاں میں ہمیں ہندو اور سکھ لڑکے بھی پیک کا روپ بھرنے والے نظر آئے۔ پچھلے کچھ سالوں میں گاؤں کا ایک سکھ اور ایک ہندو نائی لڑکا حسین کے سپاہی بنے تھے۔ جن ماں باپ کی اولاد مرجاتی ہے وہ اس امید میں کہ ان کا لڑکا زندہ رہے گا اپنے بچوں کو پیک بنانے کی منّت مان لیتے ہیں۔[۲]

سات محرم کی شام کو بہت سے خاندان مہندی کی رسم مناتے پیکوں کی واپسی پر، ان کا استقبال کرنے، گاؤں کے میدان میں جمع ہوتے ہیں۔ اس موقع پر یہ لوگ دس بارہ روشن دیے، شربت کا ایک گلاس، ایک پیالی کھیر اور پسی ہوئی مہندی رکھ کر ایک پیتل کی تھالی سجاتے ہیں۔ اگر آدھی رات تک پیک واپس نہیں آتے، ایسا کبھی کبھار ہی ہوتا ہے، تو 'مہندی' کی یہ روایت اگلی رات میں پوری کی جاتی ہے۔

چاوندی کلاں گاؤں کے پیک محرم کے آٹھویں دن صبح کو لوٹتے ہیں۔ تھوڑی دیر آرام کرکے وہ

۱- پرتاپ سی۔ اگروال، کاسٹ ریلیجین اینڈ پاور- این انڈین کیس سٹڈی، نئی دہلی ۱۹۷۱ء، ص ۶۵-۱۶۱

۲- ایضاً، ص ۶۲-۱۶۱

رات نہ لوٹنے، اپنے دورے کے درمیان بیل گاڑی پر سواری کرنے اور حسینؑ کی نافرمانی پر سرزنش کرنی شروع کردی۔ اس نے ایک فقیر کو بھی ڈانٹا جس نے ان پیکوں کے ساتھ رہنے کے فرض کو پورا نہیں کیا تھا۔ چند منٹ بعد وہ اٹھا اور حاجی پیر کے مزار کی طرف دوڑا اور وہاں سجدے کی حالت میں کچھ دیر پڑا رہا۔ پھر وہ سیدھا لیٹا تو لگتا تھا اس کا جسم اکڑ گیا ہے۔ ایک چھوٹے سے مٹی کے برتن میں اپلا سلگا کر اس پر کسی قسم کے گوند (غالباً لوبان) کا سفوف ڈال کر اس کے پاس رکھ دیا گیا۔ اس کی دھونی نے اسے آہستہ آہستہ کچھ سکون پہنچایا، اور کچھ دیر بعد وہ ہوش میں آ گیا۔ گاؤں کے ایک بزرگ سے پوچھنے پر مجھے بتایا گیا کہ اس نوجوان کو کئی سال سے اس قسم کے دورے پڑ رہے ہیں، اور یہ اس وقت سے پڑنے شروع ہوئے ہیں جب سے وہ پاکستان سے واپس آیا ہے، جہاں وہ تقسیم ملک کے بعد ہجرت کرگیا تھا۔ وہاں سے واپسی پر اسے معلوم ہوا کہ اس کی زمین کسی پنجابی رفیوجی کو الاٹ کی جاچکی تھی۔ اسی وقت سے اس کی یہ پریشانی شروع ہوئی ہے"۔

تقریباً دوپہر کے وقت پیک پھر کچھ آس پاس کے گاؤں کا دورہ کرنے چلے گئے اور رات کو نو بجے کے آس پاس واپس ہوئے۔ پیکوں کی کمر میں لپٹی پٹیوں میں لگی گھنٹیوں کی آواز پر گاؤں کے میدان میں مہندی کی تھالیاں پہنچنی شروع ہوئیں۔ پانچ خاندان بلاناغہ مہندی لاتے ہیں، ویسے جو چاہے وہ لاسکتا ہے۔ اس وقت یہاں صرف چار مہندیاں تھیں۔ ایک پچھلی رات یعنی مہندی کی رات کو ہی مسجد لے جائی گئی تھی۔

پیک گاؤں کے مختلف حصوں میں ناچتے ہوئے رفتہ رفتہ پکی مسجد کی طرف بڑھتے رہے مہندی کی تھالیاں اٹھانے والے ان کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ کافی بڑی تعداد میں لوگ اس جلوس میں شامل تھے جو لگ بھگ دو بجے رات کو مسجد پہنچا۔ یہاں بھی پیک کچھ دیر ناچتے رہے پھر آرام کرنے رک گئے۔ انہیں مہندی کی تھالیوں سے شربت اور کھانا دیا گیا۔ چھوٹے چھوٹے چراغوں کو مسجد کے طاقوں میں رکھ دیا گیا۔ اس کے بعد ہر شخص خالی تھالیوں کے ساتھ اپنے گھر کو چلا گیا۔ تھالیوں میں مہندی اب بھی لگی ہوئی تھی جسے بعد میں دھودیا جاتا ہے۔

۲۲ مئی، محرم کے نویں دن پیکوں نے پھر ناچنا شروع کیا۔ انہوں نے پورے گاؤں میں گھوم کر ہر گھر سے پیسہ جمع کیا۔ اس میں سے نصف روپیہ تعزیے کے اخراجات کے لیے تھا، اس کے علاوہ کچھ پیسہ دوسری رسموں کے لیے لیا گیا۔

۲۲ مئی، محرم کے نویں دن پیکوں نے پھر ناچنا شروع کیا۔ انہوں نے پورے گاؤں میں گھوم کر ہر گھر سے پیسہ جمع کیا۔ اس میں سے نصف روپیہ تعزیے کے اخراجات کے لیے تھا، اس کے علاوہ کچھ پیسہ دوسری رسموں کے لیے لیا گیا۔

دس محرم (۲۳ مئی) دوتانا میں ایک میلا لگایا گیا۔ بانسوں اور رنگین کاغذوں کا بنا ایک تعزیہ لایا گیا۔ تعزیے کے اخراجات کے لیے سات گاؤں نے چندہ دیا تھا۔ تعزیہ کا ڈھانچہ، جسے حسینؑ کے مزار کی نقل مانا جاتا ہے، لگ بھگ چھ میٹر اونچا تھا اور اس پر ایسی علامتیں بھی تھیں جن سے ان کے بھائی حسنؑ کے مزار کا اشارہ ہوتا ہے (تعزیے کے نیچے) دونوں طرف بانسوں کو کافی آگے بڑھا کر لگایا جاتا ہے تاکہ لوگ اسے کندھوں پر اٹھا سکیں۔ تعزیے کے آگے ایک نقارہ رکھا جاتا ہے جسے ہندو مسلمان دونوں دن بھر بجاتے رہتے ہیں۔ تعزیے کے آگے سقّے پانی پلاتے ہیں۔ کچھ لوگ تعزیوں کے آگے اپنی طرف سے پانی چھڑکنے کے لیے پیسے بھی دیتے ہیں۔ اس عمل کو نیک کام سمجھا جاتا ہے، اور اسے کربلا میں حسینؑ اور ان کے ساتھیوں پر پانی بند کردیے جانے کی نشانی کے طور پر انجام دیا جاتا ہے۔ کچھ لوگ پکے ہوئے کھانے بھی چڑھاتے ہیں جو تعزیے کے کسی خدمتگار کو دے دیا جاتا ہے، جو عام طور پر ملاّ ہوتا ہے۔ چاوندی کلاں کے ایک بوڑھے پیکے نے بتایا کہ: ''پرانے وقتوں میں ہم بھی محرم میں شامل ہوتے تھے۔ ہم تعزیے کے خدمتگار کو میٹھے چاول دیا کرتے تھے جیسا میو کرتے ہیں، مگر اب جب کہ میو لوگ کٹر مسلمان ہوگئے ہیں اور انہوں نے ہمارے تہواروں میں شریک ہونا بند کردیا ہے تو ہم نے بھی تعزے پر چڑھاوے بند کردیے ہیں''۔

سیکڑوں لوگ، جن میں زیادہ تر میو ہوتے ہیں میلے میں آتے ہیں۔ مرد، عورتیں، بچے اپنے بہترین لباس پہنے خوش خوش میلے میں آتے ہیں۔ اس دن میو اپنے گھروں میں کوئی میٹھی چیز بھی پکاتے ہیں۔ میلے میں بہت سی دکانیں لگ جاتی ہیں جن میں کھانے پینے کا سامان، ہلکے پھلکے زیور اور کھلونے بکتے ہیں۔ کوئی چار بجے تعزیے کو بڑھایا جاتا ہے، ایک وقت میں کچھ میٹر۔ اسے عیدگاہ کے پاس تالاب تک سورج غروب ہونے تک پہنچنا ہوتا ہے۔ یہاں اسے توڑ کر پانی میں ڈبودیا جاتا ہے۔ جب تعزیہ میلہ میدان سے آگے بڑھایا جاتا ہے تو یہاں کھیل تماشے شروع ہوتے ہیں۔ جیسے کشتی کے دنگل وغیرہ ہوتے ہیں۔

محرم کے تیرھویں دن (۲۵ مئی ۱۹۶۴ء) چاوندی کلاں میں ایک تعزیہ کھانا ہوا۔ پیکوں، نے

لیے پلاؤ نہیں کھایا کہ اسے مسلمانوں نے پکایا تھا اور اسے بھینس کے گوشت میں بنایا گیا تھا۔

پہلی جولائی ۱۹۶۴ء کو پورے میوات میں حسینؓ کے 'چالیسے' (حسینؓ کے انتقال کی برسی کے چالیسویں دن) پر میلے لگے۔ چاوندی کلاں کا کوئی شخص کسی میلے میں شریک نہیں ہوا لیکن زیادہ تر گھروں میں اس دن کچھ میٹھا ضرور پکایا گیا۔

جیسا پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے ہریانہ میں محرم کچھ ہی گاؤوں میں منایا جاتا ہے جب کہ راجستھان میں یہ روایت اب بھی بہت سے گاؤوں اور شہروں میں باقی ہے۔ مثال کے طور پر الور میں اب بھی تعزیے کا جلوس میو بورڈنگ ہاؤس سے نکلتا ہے اور ایک جگہ جسے ابھی تک کربلا کہا جاتا ہے، وہاں لے جاکر دفن کیا جاتا ہے۔اس سے پہلے یہ جگہ قبرستان (ڈمپنگ گراؤنڈ) ہی تھی مگر اب یہاں عمارتیں کھڑی ہوگئی ہیں۔ پھر بھی حکومت نے اس کے ایک حصے کو تعزیے دفن کرنے کے لیے مختص کردیا ہے اور اسے ابھی کربلا ہی کہا جاتا ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ جلوس کے دوران میونیاں حسینؓ کی یاد میں جو کچھ گاتی ہیں وہ ان کی مادری زبان 'میواتی' میں ہوتا ہے جو برج بھاشا اور راجستھانی سے ملی جلی زبان ہے۔ ہندو تہوار منانے کا رواج میووں میں اب لگ بھگ ختم ہوتا جارہا ہے پھر بھی ایسے موقعوں پر یہ دوستوں کو مبارکباد دے کر اور مٹھائی کھاکر خوشی منالیتے ہیں۔ بھیروں جی کا چبوترہ، اب بھی تمام فرقوں میں عام طور پر مقبول ہے، جس میں میو بھی شامل ہیں۔ اس طرح ہم ملک کے اس حصے میں ایک مخلوط کلچر کی جھلک دیکھ سکتے ہیں اور اس پر فخر کرسکتے ہیں۔

کتابیات:

۱- جی۔ڈی گھلاٹی: میوات ڈیورنگ تھرٹیتھ سنچری، پنجاب ہسٹری کانگریس کی کارروائی، پروسیڈنگس میں شائع ہوئی، پٹیالہ ۱۹۸۱

۲- یوگندر اسکند: دی اورجن اینڈ ڈیولپمنٹ آف دی تبلیغی جماعت (۲۰۰۰-۱۹۲۰)' نئی دہلی ۲۰۰۲ء

۳- ابوالفضل: آئین اکبری، ترجمہ: ایچ بلوشمین، ج ۱، تیسرا ایڈیشن، طباعت ثانی، نئی دہلی

۴- میجر پاؤلیٹ: گزیٹر آف الور، لندن ۱۸۱۷ء

۵- شمس الدین شمس: میوز آف انڈیا، دیز کسٹمس اینڈ لا، نئی دہلی ۱۹۸۳

۶- نور محمد (ایڈ) انڈین مسلمس، نئی دہلی ۱۹۹۹ء

۷- پرتاپ اگروال: کاسٹ ریلیجن اینڈ پاور- این انڈین کیس سٹڈی، نئی دہلی ۱۹۷۱ء

۸- ہاشم امیر علی: دی میوز آف میوات، نئی دہلی ۱۹۷۰

۵-شمس الدین شمس: میوز آف انڈیا، ویئر کسٹمس اینڈلا، نئی دہلی ۱۹۸۳
۶-نور محمد (ایڈ) انڈین مسلمس، نئی دہلی ۱۹۹۹ء
۷- پرتاپ اگروال: کاسٹ ریلیجن اینڈ پاور- این انڈین کیس سٹڈی، نئی دہلی ۱۹۷۱ء
۸- ہاشم امیر علی: دی میوز آف میوات، نئی دہلی ۱۹۷۰
۹-شیل مایارام: اگینسٹ ہسٹری اگینسٹ اسٹیٹ، کولمبیا یونیورسٹی پریس ۲۰۰۳ء
۱۰- کے۔ایس۔سنگھ: انڈیاز کمیونیٹیز، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۹۸ء
۱۱- ڈینزل ایبٹسن: پنجاب کاسٹس، انڈین ری پرنٹ، پٹیالہ ۱۹۸۱
۱۲- امپیریل گزیٹر آف انڈیا، ج (XVII) ۱۹۰۸ء
۱۳- ندیم حسین اور شیخ ابرار حسین: شیعاز اینڈ شیعہ اسلام ان انڈیا، نئی دہلی ۱۹۸۹ء
۱۴-مسٹر میر حسن علی: آبزرویشنس آف مسلمانس آف انڈیا ۱۸۸۲ کی طبع ثانی، نئی دہلی ۱۹۷۳ء
۱۵- انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، نیا ایڈیشن، ج VII، ای، جے، برل ۱۹۹۳ء
۱۶- انٹرویو (گفتگو)
۱-مفتی جمال الدین، الور
۲-محمد پلٹو خاں ایڈوکیٹ، الور
۳- صالح خان ایڈوکیٹ، فیروز پور جھرکا، ضلع گوڑگاؤں
۴- ڈاکٹر جگ مندر نایل، راج رشی کالج، الور
۵-بھوپ سنگھ یوسوال، ایڈوکیٹ، الور